

# امر بالمعروف و نہی عن المنکر

بحیثیت معاشرتی تنظیم کے ایک اصول کے

محمد صدیق الرحمن

فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی

قرآن مجید اچھائی اور برائی کے لئے اکثر یہ دو اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ ایک معروف، اور دوسری منکر۔ عربی زبان کی مشہور لغات لسان العرب میں معروف کے یہ معنی دئے ہیں: کل ما تعرفه النفس من الخیر و تبسء به و تظمن الیہ —

(ہر وہ اچھی چیز جسے نفس جانتا ہے، آسے پسند کرتا ہے۔ اور اس سے اسے اطمینان ہوتا ہے) اور اس کی جو چیز ضد ہوگی، وہ منکر ہے۔ انگریزی زبان میں عربی کی لین کی لغات میں معروف کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔

Signifying liberality, or bounty, when it is with moderation, or with a right or just aim, and sincere or honest advice or counsel or action; and good fellowship with one's family and with others of mankind, and any action or deed, of which the goodness is known by reason or by the law''.

(معروف دلالت کرتا ہے فراخ دلی یا فیاضی پر اگر وہ اعتدال کے اندر رہے۔ یا وہ صحیح اور منصفانہ مقصد کے لئے ہو۔ نیز پر خلوص اور ایمان دارانہ نصیحت، رائے اور عمل پر۔ اور اپنے خاندان اور نوع انسانی میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک پر — اور ہر عمل اور کام پر جس کی اچھائی دلیل یا قانون سے معلوم و ثابت ہے)

اور لین کے لغات میں منکر کے یہ معنی دیئے گئے ہیں۔

“Contrary of Ma'ruf; any action disapproved or disallowed by sound intellects; or deemed or declared thereby to be bad, evil, hateful, abominable, foul, unseemly, ugly, or hideous; or pronounced to be so by the law because the mind deliberates respecting the regarding it as such”.

( معروف کے برعکس — ہر وہ فعل جسے صحت مند دماغ ناپسند کریں یا اس کی اجازت نہ دیں۔ یا وہ فعل برا، خراب، قابل نفرت، مکروہ، فاسد، نامناسب، گندہ یا وحشت ناک سمجھا جائے، یا اسے ایسا قرار دیا جائے۔ یا قانون اسے ایسا بتائے کیونکہ اس کے بارے میں دماغ یہی سوچتا ہے )۔

قرآن مجید نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ قرآن کا مومنوں کو ارشاد ہے کہ وہ معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں۔ سورہ آل عمران میں ہے :- و لتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون ولا تکنونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ماجائتہم البینات - (۱۰۳-۳)۔ (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں - اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا، جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد )۔

اب یہ کہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کے حکم کے مخاطب سب ہیں یا امت کا ایک مخصوص گروہ - اس بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی بنا لفظ ”منکم“ ہے، بعض مفسرین جیسے کہ جلالین میں ہے، ”منکم“ میں جو من ہے، اسے تبعیضیہ بتاتے ہیں، یعنی تم میں سے ایک گروہ، تمام کی تمام امت نہیں۔ لیکن بعض دوسرے مفسرین کا جیسے کہ امام رازی اور شیخ محمد عبیدہ ہیں، کہنا ہے کہ منکم میں من بیانیہ ہے، یعنی دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم سب کے لئے ہے۔ آخر الذکر مفسرین نے اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن کی بعض دوسری آیات پیش کی ہیں، جن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری مومنین کے کسی ایک گروہ تک محدود نہیں رکھی گئی، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے -

کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر و تؤمنون باللہ - ۱۰۹ - ۳ - (تم لوگ بہتر امت ہو کہ وہ لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے - تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو)۔

یعنی مسلمان اس لئے بہترین امت ہیں کہ انہیں اس فرض منصبی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کہ وہ معروف کا حکم کریں۔ منکر سے روکیں اور آن کا اللہ پر ایمان ہو۔

شیخ محمد عبده اس بات کے ثبوت کے لئے کہ ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا سب کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید کی حسب ذہل آیات پیش کرتے ہیں۔

والعصر ان الانسان لفي خسر الا الذين آمنوا و عملوا الصالحات و تواصلوا بالحق و تواصلوا بالصبر (۱.۳)۔ شیخ محمد عبده کے نزدیک تواصلو کے معنی امر و نہی کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں عیسائیوں کے خلاف یہ فرد جرم لگائی گئی ہے کہ کانوا لايتناهنون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون ۵۹-۷۹۔ (ایک دوسرے کو برے کام سے جو وہ کرتے تھے، منع نہ کرتے تھے۔ البتہ برا تھا جو وہ کرتے تھے)۔

تفسیر جلالین میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری تمام مومنین کے بیچائے صرف ایک مخصوص گروہ تک اس لئے محدود کی گئی ہے کہ مفسرین جلالین کے نزدیک اس کے لئے معروف اور منکر کا علم ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے امت میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں یہ علم نہیں ہوتا۔ لیکن امام رازی کا کہنا یہ ہے کہ المعروف و المنکر پر جو الف لام ہے وہ استعراق کا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر معروف (اچھی بات) اور ہر منکر (بری بات) پر یہ المعروف اور المنکر شامل ہے (۱)۔ اسی ضمن میں امام رازی نے یہ بھی کہا ہے:۔ اعرف المعروفات الدين الحق و الايمان بالتوحيد و النبوة و انكر المنكرات الكفر بالله (۲)۔ (معروف باتوں میں سب سے بہتر دین حق ہے اور توحید و نبوت پر ایمان ہے۔ اور منکرات میں سے سب سے بری بات اللہ سے کفر کرنا ہے۔

قرآن مجید اور سنت میں کبھی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرے کو محدود نہیں کیا گیا۔ اور نہ یہ کسی خاص گروہ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس پر عامل ہو۔ مولانا ابوالکلام

آزاد نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو صرف طبقہ علماء سے مخصوص کر لینے کی مذمت کی ہے، اور اسے مشرکانہ فعل بتایا ہے۔ (۲)۔

قرآن مجید انسانی معاشرے کے اس روگ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم ہر مسلمان کے لئے لازمی قرار دے کر دور کرنا چاہتا ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید کے جو ارشادات ہیں، وہ اوپر گزر چکے ہیں۔ احادیث میں بھی اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث نبوی ہے ”من راى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقابه و ذلك اضعف الايمان (المسلم من ابو سعید خدری)۔“ (اگر تم میں سے کوئی بری بات دیکھے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو ہاتھ سے ٹھیک کر دے، اگر وہ ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو پھر زبان سے اور اگر زبان سے نہیں۔ تو دل سے (اسے برا سمجھے) اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے)۔

افسوس ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کے بارے میں ہمارے مفسرین ”منکم“ کے ضمن میں تبعیضیہ اور بیانیہ کی بحث میں پڑ گئے۔ اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے سلسلے میں اس حکم کی اہمیت نظر انداز ہو گئی۔ اگر ہم ”من“ کو تبعیضیہ بھی مان لیں، تو اس سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہنی چاہئے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند رہے اور معاشرے کی اصلاح کرتی رہے۔

بے شک قرآن مجید میں ہر شخص کو اپنی ہدایت اور گمراہی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے، ”من يهتدى فانما يهتدى لنفسه و من ضل فانما يضل عليها ولا تزر وازرة وزر آخری۔ ۱۷-۱۵۔ (جس نے ہدایت پائی، تو وہ اپنے آپ کے لئے ہدایت پاتا ہے۔ اور جو گمراہ ہوا، تو وہ اپنے نقصان کے لئے گمراہ ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا) لیکن قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے۔ ”و نيجملن ائقالمهم و ائقالا مع ائقالمهم ۲۹-۱۰۔“

(یہ لوگ اپنے گناہ اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے)۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھتا ہے،

اور وہ اسے نہیں روکتا، تو اس سے لوگوں کو دھوکا ہونا ہے اور وہ برے کام کی برائی سے آگاہ نہیں ہو پاتے، اسی لئے برے کام سے نہ روکنے والا بھی قابل مواخذہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوح نے جہاں اپنے بیٹے کو ناز قائم کرنے کی تلقین کی، وہاں اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی کہا۔ ارشاد ہوتا ہے:

يا بنی اقم الصلوٰۃ و امر بالمعروف و انه عن المنکر و اصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور - ۳۱-۱۲ - ( اے میرے بیٹے - ناز قائم کر۔ اور معروف کا حکم کر اور منکر سے منع کر اور جو تجھے مصیبت پہنچے، اس پر صبر کر۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ ) -  
اور ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے:-

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یا مروا بالمعروف و ینہون عن المنکر و یتقون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ و یطیعون اللہ و رسولہ - ۹-۲۱ - ( مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ وہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں۔ ناز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ) -

قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ تم لوگ قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہو۔ یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من قبل اذا اہتدیتم - ۵-۱۰۵ - ( اے ایمان والو! اپنی فکر کرو۔ اگر تم ہدایت پر ہو، تمہیں نہیں ضرر پہنچا سکتا وہ شخص جو گمراہ ہوا )۔ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے سنا ہے۔ ” جب لوگ کوئی بری چیز دیکھیں اور اسے تبدیل نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ سب کو سزا دیتا ہے۔“ ( ابن ماجہ و ترمذی ) - ( م ) -

یہاں یہ بتانے کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ اگر معاشرہ تمام کا تمام رو بہ فساد ہو، تو افراد کا اس فساد سے محفوظ رہنا کس حد تک ممکن ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام کا یہ حکم ہے کہ قبل اس کے کہ تمام معاشرہ فساد کی زد میں

آجائے، فراد ایک دوسرے کو معروف باتوں کا حکیم دین اور منکرات سے روکیں۔ اور معاشرہ کو سرتاپا فساد بننے نہ دیں۔

شیخ محمد عبدہ کے نزدیک فرد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ مختلف طریقوں سے انجام دے سکتا ہے۔ ایک طریقہ جزوی خصوصی دعوت (الدعوة الجزئية الخاصة) کا ہے (ہ الف)۔ یعنی ایک شخص کو ایک خاص وقت میں کسی اچھے کام کو کرنے اور کسی برے کام کو نہ کرنے کا کہنا، اور چونکہ قرآن نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے۔ (انا المؤمنون اخوة)، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس طریقے پر عمل کرتے ہوئے اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو اچھے کاموں کو کرنے اور برے کاموں سے باز رہنے کا کہے۔ اور دوسرا طریقہ عمومی کلی دعوت (الدعوة العامة الكلية) کا ہے، اور وہ یہ کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ اچھے کام کس کس طرح انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ انہیں تقریروں کے ذریعہ بتایا جائے، یا کتابیں تصنیف کر کے اور اخبارات و رسائل میں مضمون لکھ کر یا دوسرے ذرائع سے بتایا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اسلام کے متعلق بنیادی علم ہو۔ اور اس کے ساتھ آج کی دنیا کو بھی ہم جانیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس طریقے پر صحیح طرح عمل کرنے کے لئے ایک خصوصی تنظیم کی ضرورت ہوگی جو ایسے لوگوں پر مشتمل ہو کہ وہ اسلام کو اس کے مہبدر اصلی کے ذریعہ جانیں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کو مدجھنے کے لئے وہ دوسرے عالم سے بھی واقف ہوں اور پھر وہ اسلام کو ہر زمانے اور ہر جگہ انسانوں کی بہتری کے لئے عملی جامہ پہنائیں (ہ ب)۔ ظاہر ہے یہ کام اجتماعی کوششوں ہی کے ذریعہ زیادہ خوش اسلوبی اور موثر طریقے سے ہو سکتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مملکت اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کو کس طرح بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ الفارابی کہتا ہے ”المدينة الفاضلة نہی التي يتعاون اهلها على بلوغ افضل الاشياء التي بها يكون وجود الانسان الحقيقي وقوامه وعيشه وحفظ حياته“ (۶)۔ (مثالی شہر وہ ہے، جس کے باشندے ان بہترین اشیاء تک پہنچنے کے لئے جن کے ذریعہ انسان کا

وجود حقیقی، اس کا قیام و بقاء، اس کی گزر اوقات اور اس کی زندگی کی حفاظت ہوتی ہے، باہم تعاون کرتے ہیں (۶)۔ الفارابی کے نزدیک اچھائیاں اور برائیاں نفس کی مختلف کیفیتوں سے عبارت ہیں۔ اور ریاست کے اہل اقتدار کا فرض ہے کہ وہ نفوس کی اصلاح کریں۔ وہ لکھتا ہے :-

الهیات النفسانية التي بها يفعل الانسان الخيرات والافعال الجميلة هي الفضائل و التي بها يفعل الشرور والافعال القبيحة من الرذائل و النقائص و الخسائس (۷) (وہ نفسی کیفیات جن کے ذریعہ انسان نیک و جمیل افعال کرتا ہے، وہ فضائل ہیں اور جن نفسی کیفیات کے ذریعہ وہ شرانگیز اور قبیح افعال کرتا ہے وہ رذائل، نقائص اور خسائس باتیں ہیں)۔

الفارابی ایک مقام پر سیاست دان اور طبیب کی مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے۔  
"المعالج للابدان هو الطبيب و المعالج للنفوس هو الانسان المدنی ... غیر ان الطبیب لیس قصده بعلاجه الابدان ان يجعل هیئاتها تفعل بها النفس خیرات اوسیئات بل انما یقصد ان يجعل هیئاتها هیئات تكون بها افعال النفس الكائنة بالبدن و اجزائه اکمل ماتکون، کانت تلک الافعال سیئات اوحسنات ( ۸ الف )۔

( ابدان کا معالج طبیب ہوتا ہے اور جو نفوس کا معالج ہے، وہ انسان مدنی یعنی سیاست دان ہے ... لیکن طبیب کا ابدان کے علاج سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ نفوس کی کیفیات کو ایسی کیفیات بنائے، جن کے ذریعہ نفس انسانی اچھے یا برے کام کرے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نفوس کی کیفیات کو ایسی کیفیات بنائے کہ ان کے ذریعہ وہ نفس جو بدن اور بدن کے اجزاء سے مرکب ہے، اپنے افعال کو بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دے۔ یہ افعال برائیاں (سیئات) یا اچھائیاں (حسنات) ہوں۔

الفارابی مزید لکھتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ طبیب "والذی یعالج العین انما قصده ان یجود بها الابصار سواء استعمل ذالک فیہا ینفی و یحسن او فیہ لا ینفعی و یقبح ( ۸ ب )۔ ( جو آنکھ کا علاج کرتا ہے، بیشک اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بصارت بہتر ہو جائے۔ خواہ یہ بصارت مناسب اور اچھے طور پر استعمال ہو یا غیر مناسب اور قبیح طور پر)۔ اس کے برعکس صاحب سیاست مدنی (سیاست دان)

نفس کا علاج کرتا ہے تاکہ وہ اچھے کام کرے اور برے کاموں سے بچے، چنانچہ الفارابی کے الفاظ میں :- ”کذا لک المدنی يحتاج الى ان يعرف النفس... من النقائص والرذائل وما يعرض و من کم شئی يعرض وما الهيئات النفسانية التي بها يفعل الانسان الخيرات و کم هي و كيف الوجه في ازالة الرذائل عن اهل المدن و الحيلة في تمكينها في نفوس المدينين و وجه التدبير في حفظها عليهم حتى تزول“ (۹)

( اسی طرح انسان مدنی ( سیاست دان ) نفس کا علم رکھنے کا محتاج ہوتا ہے ... نفس کے ان نقائص اور رذائل کے علم کا، جو اس نفس پر عارض ہوتے ہیں، جہاں سے وہ عارض ہوتے ہیں اور جس مقدار میں وہ عارض ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کون سی نفسی کیفیتیں ہیں، جن کی وجہ سے انسان اچھے کام کرتا ہے، وہ کتنی ہیں اور شہروں کے باشندوں سے رذائل کو دور کرنے کا کیا طریقہ ہے اور شہریوں کے نفوس میں فضائل کو راسخ کرنے کی کیا ترکیب ہے اور وہ کیا تدبیر ہے، جس کے ذریعہ یہ فضائل ان میں محفوظ رہیں اور ان سے دور نہ ہوں ) -

غرض الفارابی کے نزدیک ” افضل الاشياء “ صرف مادی اور ذہنی ترقی نہیں ہے۔ اخلاقی اساس کے بغیر خواہ کتنی بھی مادی اور ذہنی ترقی ہو، انجام کار وہ انسانیت کے لئے مضر ہوتی ہے۔ الفارابی اس کی مثال یہ دیتے ہیں :-

” سائر القوى النفسانية التي يشرف بها الانسان مثل التميز و ما تبعه فهو في الاختيار من الناس سبب لكل خير، فهو شريف جداً فاضل و في الانسان الشرير سبب لكل شر“ و فساد . . الف - ( تمام نفسی قوتیں جن سے کہ ایک انسان کو مشرف کیا گیا ہے، جیسے کہ قوت تمیز اور اس سے ملتی جلتی قوتیں ہیں۔ چنانچہ یہ اچھے لوگوں میں ہر اچھائی کا سبب ہیں۔ وہ انسان بہت شریف اور فاضل ہے۔ اور ایک شریر انسان میں ہر شر اور فساد کا سبب ہیں ) - اسی طرح وہ ریاست جس کے ہاں اخلاقی معیار نہیں اور جو اچھے کاموں کو کرنے اور برے کاموں سے روکنے کا حکم نہیں دیتی، اس میں بقول الفارابی کے ” و یکاد ان تكون الاشياء الانسانية التي هي اعظم الخيرات الارادية و الصنائع في المدينة التغلبيه شروراً او آفات و اسبابا لافات تحدث في العالم“ ( وہ انسانی اشیاء جو ارادی



بہلائیوں اور صنعتوں میں بہترین ہیں، قریب ہے کہ وہ ایک متغلب شہر (مدینہ فاضلہ یا مثالی شہر کے برعکس شہر) میں برائیاں، آفتیں اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی آفتوں کے اسباب بن جائیں) اس کے پیش نظر الفارابی یہ تجویز کرتا ہے۔

” فمن اجل ذلك حرم على الفاضل من الناس المقام في السياسات الفاسدة ووجبت عليه الهجرة الى المدن الفاضلة ان كان لها وجود في زمانه بالفعل. واما ان كانت معدومة فالفاضل غريب في الدنيا و ردى العيش و الموت خير له من الحياة (۱۰ - ج)

( اسی بنا پر لوگوں میں سے جو فاضل ہے، اس پر یہ حرام ہے کہ وہ فاسد سیاسیات کے درمیان اقامت گزریں رہے۔ اور اس پر واجب ہے کہ مدن فاضلہ (مثالی شہروں) کی طرف ہجرت کرے اگر اس کے زمانے میں ایسے شہروں کا بالفعل وجود ہو۔ اور اگر ایسے شہروں کا وجود نہیں، تو ایسا فاضل انسان دنیا میں اجنبی اور بد حال ہوتا ہے اور اس کے لئے زندگی سے موت بہتر ہے)۔

ظاہر ہے الفارابی کی یہ تجویز حد سے زیادہ مایوسانہ ہے۔ اور اسلام اس کا قطعاً روادار نہیں۔ اس کے برعکس وہ برائیوں کے خلاف جہاد کی تلقین کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ ملحوظ رہے کہ جہاد صرف لڑائی کا نام نہیں۔ بے شک لڑائی جہاد کی ایک شق ہے۔ اسلام کے نزدیک جہاد زندگی کی اس تمام جدوجہد پر حاوی ہے جو اسے بہتر اور اصلح بنانے کے لئے کی جاتی ہے۔

وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل نہیں، وہاں بحیثیت ایک عظیم اخلاقی معاشرتی اصلاحی اقدام کے مسلمانوں کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دائرہ کار لازماً محدود ہوگا۔ یقیناً اس اصلاحی اقدام کے اصول کو پورے طور پر عملی جامہ پہنانے کے لئے اسلامی مملکت کا وجود ضروری ہے۔ مسلمانوں کو سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد کیا کرنا چاہئے، قرآن مجید نے اس بارے میں یوں رہ نئی فرمائی ہے۔

الذین ان مکنتهم فی الارض اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة و امروا بالمعروف و نهوا عن المنکر و لله عاقبة الامور (۲۲-۳۱)۔

( وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نازکی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور ( دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا کے اختیار میں ہے ) -

غرض ایک سر زمین میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر مسلمانوں کے مقدم ترین فرائض میں داخل ہے -

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، الفارابی کے نزدیک ایک مثالی شہر ( مدینہ فاضلہ ) ہی میں اہل شہر باہمی تعاون سے انسانی زندگی کی ضرورتوں کی اعلیٰ و افضل اشیاء حاصل کر سکتے ہیں - اور بقول اس کے یہ اس لئے کہ :

”الاجتماع علی الفضیلة لا یقع فیہ تباین اصلاً ولا تفساد لان الغرض فی الفضیلة واحد و هو الخیر الذی یراد لنفسه لا لشیء آخر غیرہ... فلا یتفاسدون ابدأ ما دام غرضهم واحداً - و انما یقع التفساد باختلاف الشهوات و تباین الاغراض ( ۱۱ الف )

(وہ اجتماع جو فضیلت پر مبنی ہے، اس میں نہ تو سرے سے تضاد و اختلاف وقوع پذیر ہوتا ہے اور نہ فساد - کیونکہ فضیلت کے پیش نظر جو مقصد ہوتا ہے، وہ ایک ہے - اور وہ ہے خیر اور بھلائی جو بذاتہ مراد ہوتی ہے نہ کہ کسی اور شے کے لئے ... چنانچہ اس شہر کے لوگ جب تک کہ ان کا مقصد ایک ہے، کبھی مفسدہ پردازی نہیں کرتے - بے شک مفسدہ پردازی خواہشات کے اختلاف اور اغراض کے تضاد سے وقوع پذیر ہوتی ہے ) -

الفارابی کے نزدیک وہ اجتماع جس کی بنیاد خود غرضی پر ہو - اور اس کے اخلاقی معیار وقتی ضرورتوں کے مطابق بدلتے رہیں ' وہ فاسد اور شرانگیز ہے - بقول اس کے ” ان کل واحد من المتعاملین والشریکین یریدان یسلب صاحبه نصیبه لیتوفر علیہ و کذلک صاحبه ایضاً یرید منه ذلک و یعتقدہ فیہ فیکون حیثئذ التباين ( ۱۱ ب ) - (کیونکہ باہم در معاملہ کرنے والوں اور شریک کاروں میں سے ہر ایک یہ چاہے گا کہ اپنے ساتھی کا حصہ سلب کرے تاکہ اس سے اسے زیادہ ملے، اسی طرح دوسرا ساتھی بھی اس سے یہی چاہے گا - اور اس کے بارے

میں یہی خیال رکھنے کا۔ اور اس طرح ان میں اختلاف ہوگا)۔ اب اگر ایک معاشرے کے پیش نظر خیر اور بھلائی بطور مقصد کے ہے، تو اس کے افراد میں آپس میں بنیادی قسم کے اختلافات نہیں ہوں گے۔ بے شک ان میں اس بارے میں عارضی و وقتی اختلافات ہو سکتے ہیں کہ خیر اور بھلائی کے نصب العین کو کس طرح حاصل کیا جائے، اور ظاہر ہے یہ زیادہ نقصان دہ نہیں ہو سکتے اور ان سے معاشرہ میں خلل بھی واقع نہیں ہو سکتا۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد مبارک ”اختلاف آمتی رحمہ“ (میری امت میں رائے کا اختلاف ایک رحمت ہے) سے یہی مراد ہے۔

رائے کی تعریف الفارابی یوں کرتا ہے۔ ”وما ہو فی الحقیقہ رائی ہو رائی قد تعقب و صحیح بعد التعقب (فی الحقیقت رائے وہ ہے جس کی جرح و تنقید کے بعد تصحیح ہوئی ہو)۔“

غرض وہ بنیادی وحدت جس پر کہ ایک معاشرے کے قیام اور اس کے استحکام کا انحصار ہے، اس کے حصول کا واحد طریقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ افراد معاشرہ کا باہمی تعاون ہے۔ ہم نے اوپر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضمن میں یہ جو آیت ذکر کی تھی ”و لکن منکم آمدۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون“، اس سے پہلے اور اس سے بعد کی آیات میں اتحاد و اتفاق پر ہی زور دیا گیا ہے۔ مذکور بالا آیت سے پہلے کی آیات یہ ہیں:

و اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا و اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقاذکم منها کذاک ینبئ اللہ لکم آیتہ لعلکم تتہدون۔

اور آیت مذکورہ کے بعد یہ آیت ہے:

ولا تكونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ما جاءہم البیت و اولئک لہم عذاب عظیم۔

مطلب یہ ہوا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول پر عمل کرنے سے امت میں اتحاد و وحدت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے معاشرے کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔

شیخ محمد عبدہ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ :

” فالامر بالمعروف و النہی عن المنکر حفاظ الجماعة و سیاح الوحدة “

( امر بالمعروف و نہی عن المنکر جمعیت کی حفاظت اور وحدت کی حصار ہے ) -

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عمومی اصول کے تحت کئی اور ضمنی اصول آتے ہیں - قرآن مجید میں جہاں یہ ارشاد ہوا ہے : یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۳ - ۵۹ - ( اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں، ان کا بھی ) - وہاں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث ہے ، ” لاطاعة فی معصیہ “ انا الطاعة فی المعروف ، البخاری و المسلم - ( معصیت میں طاعت نہیں - طاعت معروف میں ہے ) - گویا اگر ایک طرف اولی الامر منکم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ، تو دوسری طرف یہ اطاعت صرف معروف تک محدود کر دی گئی ہے -

ایک اور حدیث نبوی ہے : کلا واللہ لتأمرن بالمعروف و لتنہون عن المنکر و لتأخذن علی یدی الظالم و لتناظرنه علی الحق اطرا و لتقصرنہ علی الحق قصرآ او لیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض - ( ابو داؤد عن عبد اللہ بن مسعود ) -

( ہرگز نہیں - خدا کی قسم تمہیں بالضرور معروف کا حکم دینا ہوگا اور منکر سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہوگا - اسے حق پر جھکانا اور اس پر محدود کرنا ہوگا ورنہ اللہ تم میں سے بعض کے دل بعض دوسروں کے خلاف کر دے گا ) -

مزید برآں جب ہر مسلمان کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری ہوا تو اس کے نتیجے میں اس کے لئے لازمی ٹھہرا کہ وہ معروف اور منکر سے واقف ہو اور اس کا علم رکھے - اسی بنا پر تفسیر المنار میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر والی آیت (۳-۱۰۳) کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم پر عمل نہ کرنے کا عذر کسی مسلمان کا جاہل ہونا سکتا - کیونکہ ایک مسلمان کا عالم ہونا واجب ہے - ” ان الجہل لیس

بعدئذ للمسلم لانه يجب ان يكون عالماً“ (۱۵)۔

امر بالمعروف کی ایک شکل عدل کا قیام ہے اور نہی عن المنکر سے مراد ظلم کا سدباب ہے۔ شیخ محمد عبدہ آیت ۱۰۳ سورہ ۳ ( و لکن منکم الخ ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- ” لا معروف اعرف من العدل ولا منکر انکر من الظلم “ ۱۶۔ ( عدل سے بڑھ کر کوئی معروف نہیں اور ظلم سے بدتر کوئی منکر نہیں ) الفارابی نے عدل کی اس سے زیادہ واضح الفاظ میں تشریح کی ہے۔ وہ لکھتا ہے :

” العدل يكون اولاً في قسمة الخيرات المشتركة التي لاهل المدينة“ علی جمعيتهم ثم بعد ذلك في حفظ ما قسم عليهم و تلك الخيرات هي السلامة والاموال والكرامة والمراتب و سائر الخيرات التي يمكن ان يشتركوا فيها فان لكل واحد من اهل المدينة قسطاً من هذه الخيرات مساوياً لاستثنائه فنقصه عن ذلك و زيادته عليه جور فاما نقصه فجور عليه واما زيادته فجور على اهل المدينة و عسى ان يكون ايضاً جوراً على اهل المدينة (۱۷)۔

( عدل سب سے پہلے ان مشترک اچھی چیزوں کی تقسیم میں ہوگا، جو تمام اہل شہر کے لئے ہوتی ہیں۔ اس کے بعد جو اہل شہر پر منقسم ہوا، اس کی حفاظت سے عدل کا تعلق ہے۔ یہ اچھی چیزیں ہیں :- سلامتی، مال و متاع و عزت و کرامت، درجات اور دوسری اچھی چیزیں جن میں اہل شہر شریک ہو سکتے ہیں۔ ان اچھی چیزوں میں سے اہل شہر میں سے ہر ایک کا اس کی اہلیت کے مطابق حصہ ہوتا ہے۔ اس حصے میں سے کوئی کمی یا زیادتی اس شخص پر ظلم ہے۔ اگر اس کے حصے میں کمی ہے، تو یہ اس پر ظلم ہے۔ اور اگر اس کی اہلیت سے زیادہ اسے حصہ ملا ہے تو یہ اہل شہر پر ظلم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے حصے میں کمی بھی اہل شہر پر ظلم ہو )۔

اس کے بعد الفارابی لکھتا ہے :- ” اجزاء المدينة“ و مراتب اجزائها تا تلف بعضها مع بعض و ترتبط بالمحبة و تناسک و تبقى محفوظه“ بالعدل و افاضيل العدل۔ ۱۸۔ ( شہر کے اجزا اور اس کے اجزا کے درجات آپس میں متحد، محبت کے ذریعہ مربوط اور عدل اور عدل کے اعمال سے مضبوط اور محفوظ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نے عدل کو تقویٰ سے قریب ترین بتایا ہے۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حال میں عدل کو شعار بنائیں۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: — ”لیس منا من دعا الی عصبیہ“ و لیس منا من قاتل علی عصبیہ“ و لیس منا من مات علی عصبیہ“ (ابو داؤد عن جبیر بن مطعم)

(وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی دعوت دی۔ وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر لڑا اور وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر مرا)۔

اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ عصبیہ کیا ہے، تو آپ نے فرمایا:

ان تعین قومک علی الظلم (ابو داؤد)

یعنی تم اپنی قوم کی ظلم میں اعانت کرو۔

اسی لئے قرآن مجید نے مسلمانوں کو بہترین امت کہا ہے کہ وہ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں اور اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ (۳ - ۱۰۹)

غرض معروف اپنے وسیع تر معنوں میں آن تمام فضائل پر مشتمل ہے، جن سے ایک فرد اور جماعت کی زندگی سنورتی اور فلاح پاتی ہے اور منکر وہ سب خرابیاں ہیں، جو افراد اور جماعتوں کی تباہی و بربادی کی ضامن ہیں۔ چنانچہ معاشرتی زندگی کی تنظیم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا عظیم ترین مقصد مظالم کی مدافعت ہے کہ لوگوں کو ظلم و جور سے بچایا جائے۔ کیونکہ ظلم و جور سے انسانوں کی زندگی اور زندگی کے تمام حالات درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ وقت و تنگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں

حجۃ اللہ البالغہ

## حوالجات

- (۱) تفسیر فخر الرازی جزو ۳ ص ۲۶ -
- (۲) ایضاً ص ۲۷ -
- (۳) امر بالمعروف از مولانا ابوالکلام آزاد - مطبوعه هلال یک ایجنسی دہلی -
- (۴) مشکوٰۃ المصابیح ، مطبوعه دہلی - کتاب الادب -
- (۵) تفسیر المنار جزو ۴ ص ۲۸ -
- (۶) فصول المدنی للفارابی فصل ۲۵ -
- (۷) ایضاً فصل ۴ -
- (۸) ایضاً فصل ۳ -
- (۹) ایضاً فصل ۳ -
- (۱۰) ایضاً فصل ۸۸ -
- (۱۱) ایضاً فصل ۹۴ -
- (۱۲) البیوطی - الجامع الصغیر -
- (۱۳) فصول المدنی للفارابی فصل ۹۳ -
- (۱۴) تفسیر المنار جزو ۴ ص ۲۶ -
- (۱۵) ایضاً ص ۳۵ -
- (۱۶) ایضاً ص ۴۵ -
- (۱۷) فصول المدنی - فصل ۵۸ -
- (۱۸) ایضاً فصل ۵۷ -